

اُردو لازمی

نویں اور دسویں جماعت کے لیے
(نئے نصاب کے مطابق)

جملہ حقوق بحق سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ جام شورو محفوظ ہیں۔

تیار کردہ: سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ جام شورو سندھ
منظور کردہ: محکمہ تعلیم مدارس و خواندگی ادارہ، نصاب جائزہ و تحقیق حکومت سندھ
بے طور واحد رسمی کتاب برائے صوبہ سندھ

مراسلمہ نمبر (ایس او) ای ایڈیشن / کرکیلوم ۲۰۱۳ ۲۰۱۸ء فروری ۶ء



احمد بخش نار بجو

جیہریں سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ



* ناہید اختر



مولفین و مرتبین

* ڈاکٹر پروفیسر احمد جیلانی * ڈاکٹر پروفیسر شاہ احمد * ڈاکٹر عابدہ صدیقی

* محمد ناظم علی خان ماتلوی * سید مسیت حسین رضوی * نعیمة منور



* پروفیسر ڈاکٹر عتیق احمد جیلانی * محمد ناظم علی خان ماتلوی * پروفیسر محمد یاسین شیخ

* ڈاکٹر شذرہ شر * ڈاکٹر عابدہ صدیقی * محمد وسیم مغل

* ناہید اختر سومرو * زاہدہ بخش * عمر فاروق گبول



ڈاکٹر شذرہ شر

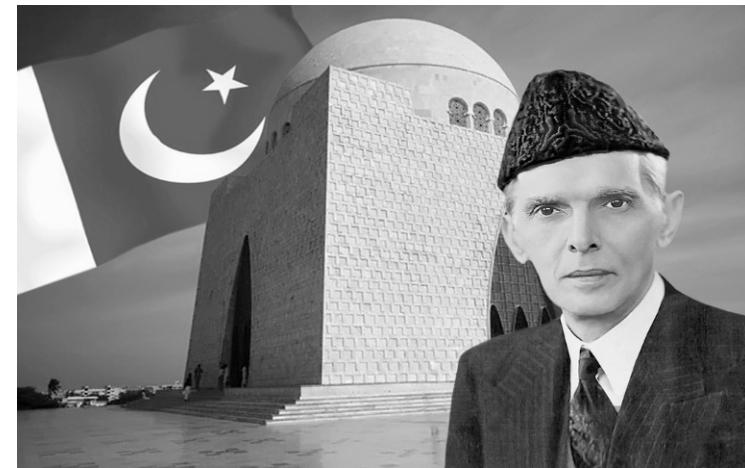
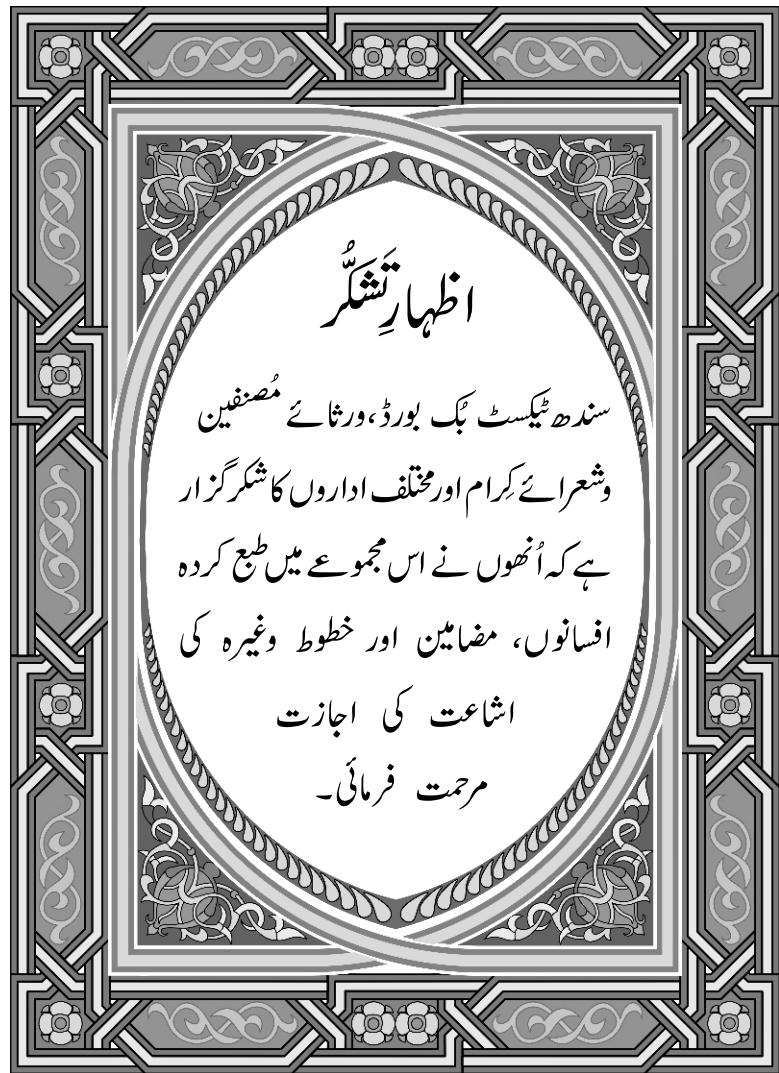
پروفیسر * محمد ناظم علی خان ماتلوی * سرورق * ساجدہ یوسف شیخ

کمپوزنگ لے آؤٹ: بختیار احمد بھٹو

مطبوعہ: اکیڈمک آفسٹ پر لیں

سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ

جامع شورو، سندھ



قائدِ اعظم نے فرمایا

”پاکستان اپنے نوجوانوں پر فخر کرتا ہے، خصوصاً طلبہ پر، جو ہر ضرورت کے وقت پیش پیش رہے ہیں۔ نوجوانو! تم مستقبل کے معمار ہو، تمھیں نظم و ضبط سے کام لینا ہے اور تعلیم و تربیت حاصل کرنا ہے، تاکہ صبر آزمہ مسائل سے نبٹ سکو، مستقبل کی ذمے داریوں کا بوجھ بھی تمھارے کاندھوں پر ہے، لہذا اس کے لیے تیار ہو جاؤ۔“



”نوجوانو! میں تمھیں پاکستان کا معمار سمجھتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنی باری پر کیا کچھ کر دکھاتے ہو۔ اس طرح رہو کوئی تمھیں گم را نہ کر سکے۔ اپنی صفوں میں اتحاد اور مضبوطی پیدا کرو۔ تمھارا اصل کام کیا ہے؟ اپنی ذات سے وفاداری، اپنے والدین سے وفاداری، اپنے ملک سے وفاداری اور اپنی تعلیم پر پوری توجہ۔“

(۱۳ اپریل ۱۹۴۸ء، اسلامیہ کالج، پشاور)

محترم اساتذہ کرام!
درستی کتاب برائے جماعت نہم و دہم تعلیمی نصاب ۲۰۰۶ کے عین مطابق لکھی گئی ہے۔
اس کتاب کا مقصد طلبہ میں دانش اور مہارت پیدا کرنا ہے تاکہ انھیں مطالعے کی عادت ہو
اور وہ اچھے انسان اور مہذب شہری بن سکیں۔

یہ درستی کتاب اردو ادب کا شاندار نمونہ ہے۔ اس کتاب میں تمام مصنفین کا تعارف
اور حالاتِ زندگی بھی دیے گئے ہیں۔ جو صرف طلبہ کی معلومات بڑھانے کے لیے ہیں ان
میں سے امتحان نہ لیا جائے اسی خیال کے مدنظر مشق میں تعارف، حالاتِ زندگی سے کوئی بھی
سوال نہیں دیا گیا ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ میں سیکھنے کا روحانی مختلف طریقوں سے
ہوتا ہے لیکن سکھانے کا سب سے زیادہ فعال طریقہ انھیں ایسی سرگرمیوں میں مصروف رکھنا ہے
جو کہ متعلقہ تصوّرات کو سمجھنے، ان کی صلاحیتوں مع اقدار کو فروغ دینے میں معاون ثابت
ہو سکیں۔ چنانچہ حصولِ مقصد کے لیے ہر سبق میں مواد سے متعلق سرگرمیاں شامل کی گئی
ہیں۔ ضروری ہے کہ بچے اپنی صلاحیتوں اور بنیادی ضرورتوں؛ جیسے: لکھنا، پڑھنا،
سننا، بولنا اور سمجھنا کی مدد سے ان سرگرمیوں سے مہارت حاصل کریں۔ عین ممکن ہے
کہ طلبہ متعلقہ مواد کو بروئے کارلاتے ہوئے کتاب میں شامل تصوّرات کی مزید تفہیم کر سکیں۔
چوں کہ تمام بچے کلیدی تصوّرات و خیالات یک بار نہیں سمجھ سکتے لہذا انھیں مشق کی ضرورت
ہوتی ہے۔ اسی لیے ہر سبق کے اختتام پر موضوعی اور معروضی مشقیں رکھی گئی ہیں۔ یہ مشقیں
بچوں کی فہمی صلاحیتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے بالخصوص تیار کی گئی ہیں تاکہ وہ کلیدی تصوّرات اور
ہنر میں مزید نکھار لاسکیں۔

تدریسی عمل شروع کرنے سے قبل آپ اساتذہ اس کتاب کے متن اور اندر ورنی
صفحات کے ذیلی حاشیے پر موجود ہدایات بے غور پڑھ لیں۔ بہ حیثیت اُستاد یقیناً آپ کے
پاس اپنے بہت سے خیالات، مشاہدات، تجربات اور معلومات ہوں گی اور لازماً آپ اپنے
طلبہ اور ان کے ماحول سے زیادہ آگاہ ہوں گے، اس لیے دورانِ تدریس آپ اپنے تناظر
میں دیگر متعلقہ مثالیں بھی شامل کر لیجیے۔

کتاب کے آخر میں تمام اس باق کی فرہنگ دی گئی ہے جو عین متن کے مطابق ہے۔
ایک لفظ کے کئی معانی ہیں مگر اس کتاب میں وہی معانی دیے گئے ہیں جو سبق کو سمجھنے میں
مدد کر سکیں۔
ضرورت اس امر کی ہے کہ تدریس کے ہر پہلو پر کامل توجہ دیں۔ طلبہ کتاب میں موجود
سرگرمیوں کو انجام دیں جب کہ آپ کلاس میں ان کے کام کا جائزہ لیجیے اور بھرپور
حوالہ افزائی کیجیے۔

عملی سرگرمیاں نہ صرف معلومات حاصل کرنے بلکہ مہارت مع اقدار میں معاون
ثابت ہوں گی اور ان کی لسانی مہارتوں کو مستحکم کرنے میں بھی کام آئیں گی۔
اُمید کرتے ہیں کہ طلبہ آپ کی تدریسی کاوشوں اور اس کتاب سے بھرپور فائدہ
حاصل کر سکیں گے۔

مُؤلفین و مرتبین



فہرست

مصنفوں کی نسبت		
مصنفوں کی نسبت	مصنفوں کی نسبت	مصنفوں کی نسبت
۱	اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	
۲	امید کی خوشی	
۳	قومی ہم دردی	
۴	رشتنا تا	
۵	نظریہ پاکستان	
انسانوی ادب		
۶	اصغری نے لڑکیوں کا مکتب بھایا	
۷	بورڈی کا کمیٹی	
۸	سینا بادشاہ	
۹	شہید	
خاک/آپ بیتی		
۱۰	نام دیو---مالی	
۱۱	ڈسٹرکٹ بورڈ کی ڈپنسری	
طزوہ مزار		
۱۲	اُذنہ	
سفر نامہ		
۱۳	پچھوڑ ق تاریخ سے	

مکاتیب

حصہ نکم	عنوان	مکاتیب	حصہ نکم
۱۲	ہنام ہر گوپاں تھے	غالب	۱۳
۱۵	ہنام میر مہدی مجروح	غالب	۱۵
شعراء			
۱۶	حمد	مولانا اسماعیل میرٹھی	۱۱۸
۱۷	نعت	امیر مینائی	۱۲۳
۱۸	برسات کا تماشا	تفیرا کبر آبادی	۱۲۸
۱۹	دنیاۓ اسلام	علام محمد اقبال	۱۳۳
۲۰	سر راہ شہادت	ابوالاثر حفیظ جاندھری	۱۳۸
۲۱	گرمی کی شہادت	میر انیس	۱۴۳
۲۲	جیوے جیوے پاکستان	جیل الدین عالیٰ	۱۴۸
۲۳	کرکٹ اور مشاعرہ	دل اور فگار	۱۵۲
غزلیات			
۲۴	فقیرانہ آئے صدا کر چلے	میر تقی میر	۱۵۷
۲۵	وہن پر ہیں ان کے گماں کیسے کیسے	خواجہ حیدر علی آتش	۱۶۱
۲۶	ہر ایک بات پر کہتے ہو تم کہ ”تو کیا ہے؟“	مرزا غالب	۱۶۵
۲۷	گلتا نہیں ہے جی مرا اجڑے دیار میں	بہادر شاہ ظفر	۱۶۹
۲۸	دعائیں ذکر کیوں ہو مدد عا کا	حرست موبانی	۱۷۱
۲۹	جب تک انساں پاک طبیعت ہی نہیں	جگہ مراد آبادی	۱۷۹
۳۰	ہونوں پہ کھی اُن کے مرانام ہی آئے	ادا جعفری	۱۸۳
فرہنگ			
۱۱۲	غالب	غالب	۱۱۳

لِشَّرِيكِ الْجَنَانِ

مولانا شبی نعمانی

ولادت: ۱۸۵۷ء وفات: ۱۹۱۳ء



اخلاقِ نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

حاصلاتِ تعلیم: یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) کوئی بات یا بیغام سن کر انہی لفظوں میں دہرا سکیں۔

(۲) ادب پارے کا خلاصہ لکھ سکیں۔ (۳) پانچ سے سات منٹ کی تقریر درست لب و لمحہ سے کر سکیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ۱۵ برس تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ زوجیت میں رہی تھیں، زمانہ آغازِ وحی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان الفاظ میں تسلی دیتی تھیں: ”خدا کی قسم! خدا آپ کو کبھی غم گینہ نہ کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلة رحمی کرتے ہیں، مقربوں کا بار اٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔“

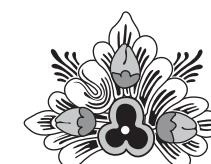
امہات المؤمنین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف تفصیل سے نہیں بیان کیے ہیں۔ فرماتی ہیں: ”آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کسی کو ربرا بھلا کہنے کی نہ تھی۔ برائی کے بدے میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگزر کرتے تھے اور معاف فرمادیتے تھے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملے میں انتقام نہیں لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی غلام، لوڈی، عورت، جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کی درخواست رد نہیں فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خنداد،

محمد شبی نام اور شمس العلماء خطاب تھا۔ نعمانی، امام اعظم ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت سے عقیدت کی وجہ سے خود اضافہ کیا۔ والد کا نام شیخ حبیب اللہ تھا۔ اعظم گڑھ (ہندوستان) میں بیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اعظم گڑھ کے مدرسے سے حاصل کی۔ آپ کی لیاقت کی وجہ سے سر سید نے علی گڑھ کالج میں عربی کا استاد مقرر کیا۔ یہیں آپ کی تصنیفی زندگی کا آغاز ہوا۔ آپ نے مصر، ترکی، روم اور شام کے سفر کیے اور وہاں کے کتاب خانوں سے مواد حاصل کیا۔ سلطان نے آپ کو ”تمغاۓ مجیدی“ عطا کیا۔

مولانا شبی شاعر، ادیب، فلسفی، قانون دان، ماہر تعلیم، عالمِ دین اور مؤرخ تھے۔ آپ کی تصنیف میں ”المامون، سیرت النعمان، الفاروق، الغزالی، سوانح مولا ناروم، مقالاتِ شبی اور سیرتِ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ جیسی بلند پایہ کتابیں ہیں۔



ہنسنے اور مسکراتے ہوئے۔ دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ باقیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے اور آغازِ نبوت سے آخر تک کم از کم ۲۳ برس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں رہے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و عادات کی نسبت سوال کیا۔ فرمایا: ”آپ خندہ جبیں، نرم ہو، مہربان طبع تھے۔ سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے۔“ کوئی برا کلمہ منھ سے کبھی نہیں نکالتے تھے۔ عیب ہو اور تنگ گیر نہ تھے۔ اپنے نفس سے تین چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالکل دور کر دی تھیں: ”بحث و مباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو، اس میں پڑنا۔ دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے: کسی کو برانہیں کہتے تھے، کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے، کسی کے اندر ورنی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے۔ وہی باقیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا۔ کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا، چپ سُنا کرتے۔ دوسروں کے منھ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ نہایت فیاض، نہایت راست گو، نہایت نرم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے۔ اگر کوئی دفعۃ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا، لیکن جیسے جیسے، آشنا ہوتا جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے لگتا۔

ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ جو گویا آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آغوش پر پورا ہو تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نرم ہو تھے، سخت مزاج نہ تھے۔ کسی کی توہین رو انہ رکھتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہارِ لشکر فرماتے تھے۔ کھانا جس قسم کا سامنے آتا، تناول فرماتے اور اس کو برا بھلانہ کہتے۔

جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، جن کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبت سے مسکرا دیا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکرا دیا ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ ہنستا تھا، وقار و ممتازت سے گفتگو فرماتے تھے، کسی کی غاطر شکنی نہیں کرتے تھے۔ معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام و مصافحہ کرتے، کوئی شخص جھک کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رُخ نہ پھیرتے، جب تک وہ خود منہ نہ ہٹائے۔ مصافحے میں بھی بھی معمول تھا۔ یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے، اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زانوں نہیں نہیں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے۔ واپس آنے لگتے تو انہوں نے اپنے صاحب زادے قیس بن عائش کو ساتھ کر دیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم رکاب جائیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیس رضی اللہ عنہ سے کہا: ”تم بھی میرے اونٹ پر سوار ہو لو۔“ انہوں نے بے ادبی کے لحاظ سے تأمل کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یا سوار ہو لو یا کھر واپس جاؤ۔ وہ واپس چلے آئے۔

ایک دفعہ نجاشی کے ہاں سے ایک سفارت آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کو اپنے ہاں مہمان رکھا اور خود بے نفسِ نفس مہمان داری کے تمام کام انجام دیے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی کہ ہم یہ خدمت انجام دیں گے۔ ارشاد ہوا کہ ان لوگوں نے میرے دوستوں کی خدمت گزاری کی ہے، اس لیے میں خود

ان کی خدمت گزاری کرنا چاہتا ہوں۔

عقبان بن مالک رضی اللہ عنہ جو اصحاب بدر میں تھے، ان کی پینائی میں فرق آ گیا تھا۔ آس حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ کر درخواست کی کہ میں اپنے محلے کی مسجد میں نماز پڑھاتا ہوں لیکن جب بارش ہو جاتی ہے تو مسجد تک جانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں تشریف لا کر نماز پڑھ لیتے تو میں اسی جگہ کو سجدہ گاہ بنایتا۔ دوسرے دن صبح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر ان کے گھر گئے اور دروازے پر ٹھہر کر اذن مانگا۔ اندر سے جواب آیا تو گھر میں تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کہاں نماز پڑھوں؟ جگہ بتا دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر کہہ کر دور کعت نماز ادا کی۔

ابو شعیب رضی اللہ عنہ ایک انصاری تھے۔ ان کا غلام بازار میں گوشت کی دکان رکھتا تھا۔ ایک دن وہ خدمتِ اقدس میں آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ رضی اللہ عنہم کے حلقے میں تشریف فرماتھے اور چہرے سے بھوک کا اثر پیدا تھا۔ ابو شعیب رضی اللہ عنہ نے جا کر غلام سے کہا کہ پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کرو۔ کھانا تیار ہو چکا تو آس حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ قدم رنجہ فرمائیں۔ کل پانچ آدمی تھے۔ راہ میں ایک اور شخص ساتھ ہو لیا۔ آس حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو شعیب رضی اللہ عنہ سے کہا: ”یہ شخص بے کہ ساتھ ہو لیا ہے، تم اجازت دو تو یہ بھی ساتھ آئے ورنہ رخصت کر دیا جائے۔“ انھوں نے کہا: ”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو بھی ساتھ لائیں۔“

کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اُسی کے سامنے اُس کا تذکرہ

نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایک صاحب عرب کے دستور کے مطابق زعفران لگا کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ نہ فرمایا۔ جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں سے کہا کہ ان سے کہہ دینا کہ یہ رنگ و ھوڑا لیں۔

ایک دفعہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اچھا آنے دو۔“ وہ اپنے قبیلے کا اچھا آدمی نہیں تھا۔ لیکن جب وہ خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو نہایت نرمی کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس پر تجہب ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”خدا کے نزدیک سب سے بُرا وہ شخص ہے، جس کی بذریبازی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جُلنا چھوڑ دیں۔“

سلام میں پیش دستی فرماتے۔ جب چلتے تو مرد، عورتیں، بچے جو سامنے آتے ان کو سلام کرتے۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راستے سے گزر رہے تھے، ایک مقام پر مسلمان اور منافق و کافر یک جا بیٹھے ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو سلام کیا۔

(ماخوذ از: ”سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“، جلد دوم)



سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا زمانہ آغاز وحی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کن الفاظ میں تسلی دیتی تھیں؟

(ب) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آس حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیا اخلاق بیان فرمائے؟

(ج) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کیا کرتے تھے؟

(د) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کیا فرماتے ہیں؟

(ه) حضرت عقبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے آس حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا درخواست کی؟

سوال ۲: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت زوجیت میں رہی تھیں:

(۱) ۱۵ برس (۲) ۲۰ برس

(۳) ۲۵ برس (۴) ۳۰ برس

(ب) سبق "اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" پڑھ کر مجموعی طور پر جذبہ پیدا ہوتا ہے:

(۱) پہلے خود سلام کرنے کا (۲) اعلیٰ اخلاق پیدا کرنے کا

(۳) بھوکوں کو کھانا کھلانے کا (۴) زم لججے میں بات کرنے کا

(ج) جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا دیا کرتے تھے:

(۱) محبت کی وجہ سے (۲) رشتہ داری کی وجہ سے

(۳) دوستی کی وجہ سے (۴) مرتوت کی وجہ سے

(د) سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کا نام تھا:

(۱) قیس (۲) خالد (۳) عمر (۴) ابو قادہ

(ه) "مصافحہ" کرنے کا مطلب ہے:

(۱) سلام کرنا (۲) گلے مانا

(۳) مسکرا کے مانا (۴) ہاتھ ملانا

(و) ابو شعیب رضی اللہ عنہ کے غلام کی بازار میں دکان تھی:

(۱) گوشت کی (۲) سبزی کی

(۳) چلوں کی (۴) کپڑے کی

سوال ۳: درج ذیل خالی جگہیں درست الفاظ سے پُر کیجیے:

(الف) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق..... سے بڑھ کر کسی نے تفصیل سے نہیں بیان کیے ہیں۔

(ب) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملے میں نہیں لیا۔

(ج) اپنے نفس سے چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالکل دور کر دی تھیں۔

(د) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش دستی فرماتے۔

(ه) ایک دفعہ کے ہاں سے سفارت آئی۔

سوال ۴: اس سبق کا خلاصہ سو الفاظ میں لکھیے۔

سوال ۵: درست بیان پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ ()

(ب) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسروں کے منھ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ ()

(ج) حضرت امام حسنؑ نے حضرت علیؑ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احلاق کے بارے میں پوچھا۔ ()

(د) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام کرتے۔ ()

(ه) ایک صاحب خوش بول کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ()

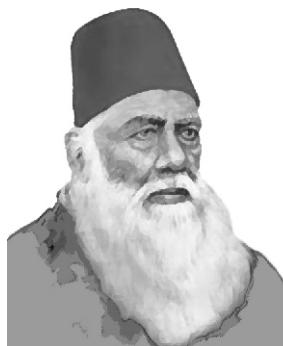
سرگرمی

طلبہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقی حکمے کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال کا چارٹ تیار کر کے کلاس میں آؤزیاں کریں۔

* سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالاتِ زندگی، اعمال، اقوال اور احکام مبارکہ بیان کیے جاتے ہیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) یہ سبق پڑھاتے ہوئے سیرت مبارکہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزید پہلوؤں پر روشنی ڈالیے۔ (۲) اسکوں لا بھری ی سے کتابیں منگوا کر طلبہ کو سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطلعے کی ترغیب دیجیے۔ (۳) چند کثیر الانتباہی سوالات کے جواب برائے راست سبق میں موجود نہیں۔ یہ سوالات طلبہ میں اعلیٰ ذہنی سطح کی تفہیمی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے شامل کیے گئے ہیں۔ لہذا عبارت فہمی کی تدریسی عملی حکمتیں استعمال کرتے ہوئے طلبہ کو آمادہ کیجیے کہ وہ ان سوالات کے جواب کے لیے غور و فکر کریں۔



سرسید احمد خان

ولادت: ۱۸۱۷ء وفات: ۱۸۹۸ء

سرسید احمد خان دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید محمد مقتنی تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کتب میں حاصل کی۔ پھر قرآن مجید، حدیث پاک اور فقہ کی تعلیم اٹھارہ سال کی عمر میں مکمل کر لی۔ اس کے بعد مُنصَّفی کا امتحان پاس کر کے بہ حیثیت مُنصَّف ملازم ہو گئے اور ترقی کرتے کرتے نجح کے عہدے تک پہنچ گئے۔

آپ نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز اپنے اخبار ”سید الاخبار“ سے کیا۔ مسلمانوں کے اخلاق کی اصلاح کے لیے ایک رسالہ ”تہذیب الاخلاق“ نکالا۔ نیز مسلمانوں کی تعلیم کے لیے علی گڑھ میں ایک اسکول قائم کیا جو ترقی پا کر ایک عظیم الشان یونیورسٹی بن گیا۔

سرسید ایک بلند پایہ نظر نگار، اخبارنویس اور عالم تھے۔ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے آپ کو ”جواد الدوّلہ“ اور ”عارفِ جنگ“ کے خطابات دیے۔ انگریز حکومت نے بھی آپ کو ”سر“ کا خطاب دیا۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں، جن میں ”آثار الصنادید، خطبات احمدیہ، اسباب بغاوت ہند اور تاریخ سرکشی بیکوڑ“ بہت مشہور ہیں۔



نہ دیکھے۔ سورہ میرے بچے سورہ۔ میری آنکھوں کے نور اور میرے دل کے سُرور
میرے بچے سورہ۔ تیراںکھڑا چاند سے بھی زیادہ روشن ہوگا۔ تیری شہرت، تیری لیاقت،
تیری محبت جو تو ہم سے کرے گا، آخر کار ہمارے دل کو تسلی دے گی۔ تیری ہنسی
ہمارے اندر میرے گھر کا اجلا ہوگی۔ تیری پیاری پیاری باتیں ہمارے غم کو دُور کریں
گی۔ تیری آواز ہمارے لیے خوش آپندر را گنیاں ہوں گی۔ سورہ میرے بچے سورہ۔
اے ہماری امیدوں کے پودے سورہ۔ بولو، جب اس دنیا میں ہم تم سے جدا ہو جاویں
گے تو تم کیا کرو گے۔ تم ہماری بے جان لاش کے پاس کھڑے ہو گے۔ تم پوچھو گے اور
ہم کچھ نہ بولیں گے۔ تم روؤ گے اور ہم کچھ رحم نہ کریں گے۔ اے میرے پیارے
روئے والے! تم ہمارے ڈھیر پر آ کر ہماری روح کو خوش کرو گے۔ آہ! ہم نہ ہوں
گے اور تم ہماری یادگاری میں آنسو بھاؤ گے۔ اپنی ماں کا محبت بھرا پھرہ، اپنے باپ کی
نورانی صورت یاد کرو گے۔ آہ! ہم کو یہی رنج ہے کہ اُس وقت ہماری محبت یاد کر کر تم
رنجیدہ ہو گے۔ سورہ میرے بچے سورہ، سورہ میرے بالے سورہ۔

یہ امید کی خوشیاں ماں کو اُس وقت تھیں جب کہ بچپن گھوں غاں بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مگر جب وہ ذرا اور بڑا ہوا اور معصوم ہنسی سے اپنی ماں کے دل کو شاد کرنے لگا اور اتنا اتنا کہنا سیکھا، اس کی پیاری آواز ادھورے لفظوں میں اس کی ماں کے کان میں پہنچنے لگی۔ آنسوؤں سے اپنی ماں کی آتشِ محبت کو بھڑکانے کے قابل ہوا۔ پھر مکتب سے اس کو سروکار پڑا۔ رات کو اپنی ماں کے سامنے دن کا پڑھا ہوا سبق غم زده دل سے سنانے لگا اور جب کہ وہ تاروں کی چھاؤں میں اٹھ کر ہاتھ منہ دھو کر اپنے ماں باپ کے ساتھ صبح کی نماز میں کھڑا ہونے لگا اور اپنے بے گناہ دل، بے گناہ زبان سے

امید کی خوشی

حاصلات تعلم: یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) جملے کے اجزاء تکمیلی کی تعریف اور تقطیع کر سکیں۔
 (۲) تحریر کا مرکزی خیال بیان کر سکیں۔ (۳) ادب پارے کا خلاصہ مرکزی خیال کے حوالے سے لکھ سکیں۔ (۴) دیے گئے عنوان پر مضمون لکھ سکیں۔

اے آسمانوں کی روشنی اور اے ناممید دلوں کی تسلی، امید! تیرے ہی شاداب
اور سرسبز باغ سے ہر ایک محبت کا پھل ملتا ہے۔ تیرے ہی پاس ہر درد کی دوا ہے۔ تجھی
سے ہر ایک رنج میں آسودگی ہے۔ عقل کے درمیان جنگلوں میں بھٹکتے بھٹکتے تھکا ہوا
مسافر تیرے ہی گھنے باغ کے سرسبز درختوں کے سامنے کوڑھونڈتا ہے۔ وہاں کی ٹھنڈی
ہوا، خوش الماحان جانوروں کے راگ، بہتی نہروں کی لہریں اس کے دل کو راحت دیتی
ہیں۔ اس کے مرے ہوئے خیالات کو پھر زندہ کرتی ہیں۔ تمام فکریں دل سے دور
ہوتی ہیں اور دُور دراز زمانے کی خیالی خوشیاں سب آ موجود ہوتی ہیں۔

دیکھ! نادان، بے بس بچہ گھوارے میں سوتا ہے۔ اس کی مصیبت زدہ ماں اپنے دھندے میں لگی ہوئی ہے اور اس گھوارے کی ڈوری بھی ہلاتی جاتی ہے۔ ہاتھ کام میں اور دل بنجے میں ہے اور زبان سے اس کو یوں لوری دیتی ہے: سورہ میرے بنجے سورہ، اے اپنے باپ کی مورت اور میرے دل کی ٹھنڈک سورہ۔ اے میرے دل کی کونپل سورہ، بڑھ اور پھل پھول، تجھ پر کبھی خزانہ آنے پائے۔ تیری ٹھنی میں کوئی خار کبھی نہ ٹوٹے۔ کوئی کھن گھڑی تجھ کونہ آوے۔ کوئی مصیبت جو تیرے ماں بای نے بھگتی، تو

بے ریا خیال سے خدا کا نام پکارنے لگا، تو امید کی خوشیاں اور کس قدر زیادہ ہو گئیں۔ اس کے ماں باپ اس مخصوص سینے سے سچی ہم دردی دیکھ کر کتنے خوش ہوتے ہیں۔ آہ! ہماری پیاری امید! تو ہی ہے جو مہد سے حد تک ہمارے ساتھ رہتی ہے۔ دیکھو! وہ بے گناہ قیدی اے اندھیرے کنوئیں میں سات تھے خانوں میں بند ہے۔ اس کا سورج کا ساچکنے والا چہرہ زرد ہے۔ بے یار و دیار، غیر قوم، غیر مذہب کے لوگوں کے ہاتھوں میں قید ہے۔

(ب) دیکھو! نادان، بے بس بچہ گھوارے میں سوتا ہے۔ اس کی مصیبت زدہ ماں اپنے دھنے میں لگی ہوئی ہے اور اس گھوارے کی ڈوری بھی ہلاتی جاتی ہے۔ ہاتھ کام میں اور دل بچے میں ہے۔

سوال ۵: سبق میں سے پانچ تراکیب لفظی تلاش کر کے اُن کے معنی لکھیے۔

سوال ۶: درج ذیل جملوں میں سے اسم، فعل اور حرف کی نشان دہی کیجیے:

- ۱- اسلم نے چائے پی۔ ۲- حامد کتاب پڑھ رہا ہے۔
- ۳- وہ کراچی میں رہتی ہے۔

سوال ۷: ذیل کے جملوں کی تشریح مع حوالہ سیاق و سبق کیجیے:

(الف) دیکھو! وہ بے گناہ قیدی اندھیرے کنوئیں میں سات تھے خانوں میں بند ہے۔ اس کا سورج کا ساچکنے والا چہرہ زرد ہے۔ بے یار و دیار، غیر قوم، غیر مذہب کے لوگوں کے ہاتھوں میں قید ہے۔

(ب) دیکھو! نادان، بے بس بچہ گھوارے میں سوتا ہے۔ اس کی مصیبت زدہ ماں اپنے دھنے میں لگی ہوئی ہے اور اس گھوارے کی ڈوری بھی ہلاتی جاتی ہے۔ ہاتھ کام میں اور دل بچے میں ہے۔

سوال ۵: سبق میں سے پانچ تراکیب لفظی تلاش کر کے اُن کے معنی لکھیے۔

سوال ۶: درج ذیل جملوں میں سے اسم، فعل اور حرف کی نشان دہی کیجیے:

- ۱- اسلم نے چائے پی۔ ۲- حامد کتاب پڑھ رہا ہے۔

- ۳- وہ کراچی میں رہتی ہے۔

سرگرمیاں



- (۱) طلبہ سبق پڑھ کر اس کا مرکزی خیال تحریر کریں۔
- (۲) طلبہ سر سید پر ڈھائی سو الفاظ پر مشتمل ایک مضمون لکھیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

- (۱) طلبہ کو بطور صیغہ ادب مضمون کی تعریف سے آگاہ کیجیے۔ (۲) طلبہ کو جملے کے اجزاء ترکیبی مثالوں سے واضح کر کے بتائیے۔ نیز ادب پاروں میں نظم و نثر کا فرق بتائیے۔ (۳) انشا پردازی کے بارے میں تفصیل سے بتائیے۔



ماخوذات: مضمایں سرستید

مراد حضرت یوسف علیہ السلام۔



سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) مصنف نے ”امید“ کو خوشی کیوں فرار دیا ہے؟

(ب) ماں بچے کو کیا لوری دیتی ہے؟

(ج) بے گناہ قیدی رنجیدہ کیوں تھا؟

(د) امید ہماری زندگی میں کیا تبدیلی لاکھتی ہے؟

(ه) آپ کی کون سی امید آپ کے والدین کے لیے خوشی کا باعث ہے؟

سوال ۲: اس سبق کا خلاصہ سو الفاظ میں لکھیے۔

سوال ۳: درج ذیل الفاظ و تراکیب اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

محنت کا پھل - آتشِ محبت - درد کی دوا - خوش الحان - بے ریا خیال - کٹھن گھڑی

قومی ہم دردی

حاصلاتِ تعلّم: یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ میں امتیاز کر سکیں اور ترکیب نہیں کر سکیں۔ (۲) اپنی نتیجویا اظہارِ خیال کے لیے موزوں الفاظ، تراکیب اور جملے استعمال کر سکیں۔ (۳) ادب پارے اور مضمون کے بنیادی نکات درج کر سکیں۔

‘ہم دردی’ کا لفظ ‘ہم’ اور ‘درد’ دو فارسی کلموں سے مرکب ہے۔ ‘درد’ کے معنی دکھ اور تکلیف کے ہیں اور ‘ہم’ کا لفظ اشتراک کے معنی دیتا ہے۔ پس ‘ہم دردی’ کے لفظ سے دو یا کئی شخصوں کا دکھ اور تکلیف میں شریک ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ خواہ ارادے سے ہو، خواہ بے ارادہ۔ مگر آج کل کے استعمال میں ہم دردی سے وہ شرکت مراد لی جاتی ہے جو ارادے سے کی جائے، مثلاً: ایک شخص یمار ہے اور دوسرا حمیا مجبت سے اُس کی دوادر و کرتا ہے، تو دوسرے کو پہلے کا ہم درد کہیں گے۔

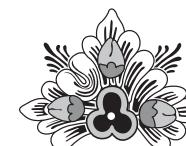
اگر یہ بات صحیح ہے تو یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ تمام انسان ایک دوسرے کی ہم دردی کے ذمے دار ہیں اور ہر شخص مصیبت کی حالت میں اپنے ہم جنوں سے مدد لینے کا استحقاق رکھتا ہے۔ کون ہے جو اس بات سے انکار کرے گا کہ بھائی کو بھائی سے ایک تعلق ہے جو ایک کو دوسرے کی ہم دردی پر مجبور کرتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان بھائیوں کی اولاد میں اُس ہم دردی کا کوئی حصہ باقی نہ رہے۔ بے شک جب تک کہ باپ کے خون کا قطرہ اولاد کی رگ و پے میں باقی ہے، ہم دردی کا رشتہ بھی منقطع نہیں ہو سکتا۔



خواجہ الطاف حسین حاچی

ولادت: ۱۸۳۷ء وفات: ۱۹۱۳ء

الطاف حسین نام، حاچی تخلص اور شمس العلماء خطاب تھا۔ والد کا نام خواجہ ایزد بخش انصاری تھا۔ پانی پت میں پیدا ہوئے۔ آپ نے پہلے قرآن پاک حفظ کیا، پھر فارسی اور عربی کی تعلیم پائی۔ سترہ برس کی عمر میں شادی ہو گئی۔ پھر آپ دہلی چلے گئے، جہاں مرتضیٰ عالم اور نواب مصطفیٰ خان شیفۃ کی صحبت میسراً آئی۔ اس کے بعد لاہور آگئے اور پنجاب بک ڈپ میں ملازمت اختیار کر لی۔ وہاں انہوں نے کتب کے اردو تراجم پر نظر ثانی اور دوستی کا کام کیا۔ اس کام سے حاچی کو انگریزی زبان اور اس کے ادب سے آگاہی حاصل ہوئی۔ یہیں انہوں نے مولانا محمد حسین آزاد کے ساتھ مل کر موضوعاتی مشاعروں کی بنیاد ڈالی، جن میں شاعر مختلف موضوعات پر نظمیں لکھ کر لایا کرتے تھے۔ انہی مشاعروں میں حاچی نے ”برکھاڑت، رحم والنصاف، حب وطن اور امید“ کے عنوان سے نظمیں پڑھیں۔ حاچی نے سر سید کی تحریک پر اپنا مشہور مدرس ”مد و جزر اسلام“ بھی لکھا جو مدرس حاچی کے نام سے مشہور ہوا۔ ”حیات سعدی، مقدمہ شعر و شاعری، یادگار غالب اور حیات جاوید“، حاچی کی اہم نشری تصنیفیں ہیں۔



ہم دردی حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے۔ بچوں کو ایک مدت تک پرورش کرنا، اُن کے لیے غذا بھم پہنچانا، تابہ مقدور ان کو دشمن کے حملے سے بچانا، سب جانوروں کی عام خصلت ہے۔ اس کے سوا عام ہم دردی بھی اُن میں دیکھی گئی ہے۔ جنگلی بظنوں کا غول جب کسی کھیت میں اُترتا ہے اور وہاں کسی طرح کا کٹکا نہیں پاتا تو سب کے سب ایک صف باندھ کر دانہ چکتے ہیں، مگر اُن میں سے ایک ایک بظ نوبت بہ نوبت اپنے ہم جنسوں کی چوگسی کرتی ہے، اور جب تک پھر ادیتی رہتی ہے ایک دانہ نہیں کھاتی۔ چیونٹا جب کہیں اناج کا ذخیرہ پاتا ہے تو بھی تن پروری نہیں کرتا، بلکہ اُسی وقت اپنے ہم جنسوں کو خبر کر دیتا ہے اور تھوڑی سی دیر میں لاکھوں چیونٹوں کو وہاں جمع کر دیتا ہے۔ اسی طرح اور مثالیں بھی پائی جاتی ہیں۔

اس سے دو باقی ثابت ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ ہم دردی انسان کی طبیعت میں بھی ضرور کھی گئی ہے۔ کیوں کہ جو خوبیاں قدرت نے اور حیوانات کو عنایت کی ہیں، انسان اُن کا زیادہ تر مستحق ہے۔ دوسرے یہ کہ ہم دردی ایک قدرتی خاصیت ہے جو بغیر تعلیم اور اکتساب کے انسان کی طبیعت میں خود بہ خود جوش مارتی ہے، کیوں کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اور حیوانات میں، جو عقلی تعلیم سے بالکل محروم ہیں، اس کا وجود ہرگز نہ پایا جاتا۔ ہم دردی انسان میں اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ کارخانہ دنیا کا انتظام درہم برہم نہ ہونے پائے۔ کیوں کہ انسان اپنی ضروریات میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ ایک کی گاڑی دوسرے کی مدد کے بغیر نہیں چل سکتی۔ پس اگر انسانوں میں ہم دردی نہ ہو تو یہ تمام کارخانہ درہم برہم ہو جائے۔

ہمارے ہم وطن بھی ہم دردی کی اصل سے بے خبر نہیں ہیں۔ کنویں بنوانے، پیا و بھانی، سبیل لگانی، محتاجوں کی خبر لینی، بیواویں کی مدد کرنی، بیاہ شادیوں میں شریک

ہو کر ایک دوسرے کا کام بٹوانا، بیمار کی عیادت، میت کی تعریت اور اسی طرح اور بہت سی باتیں ہمارے ملک میں بھی پائی جاتی ہیں۔ بعض اوقات یہ قدرتی خصلت جس کا نام ہم دردی ہے، مشق اور تعلیم سے تمام قوم میں پھیل جاتی ہے اور اس کا اثر کسی قدر تیز ہو جاتا ہے۔

میوپسل کمیٹیاں، جو سرکار نے جا بہ جا شہروں اور قصبوں میں قائم کی ہیں، اگر پورا پورا اپنا فرض ادا کریں اور جس غرض کے لیے مقرر ہوئی ہیں، اُسی کو مدد نظر رکھیں تو یہ بھی ہم دردی کے اچھے نمونے ہیں۔

زمانہ بھی طرح طرح سے ہم کو ہم دردی کی طرف مائل کر رہا ہے۔ مذہب بھی ہم کو بہت زور سے ہم دردی کی طرف کھینچتا ہے۔ ہندو، مسلمان اگر اپنی مذہبی کتابیں دیکھیں گے تو ان کو ہم دردی کی ترغیب سے مالا مال پائیں گے۔

قوم ایک درخت کی مثال رکھتی ہے، جس کی ٹہنیاں اُس کے مختلف خاندان ہیں اور اُس کے پتے ہر ایک خاندان کے مردوں عورت۔ جب تک درخت کی جڑ ہری ہے، اُس کی ٹہنیاں اور پتے بھی ہرے ہیں۔ لیکن جب جڑ کو پانی نہ پہنچے گا، ٹہنیاں اور پتے سب سوکھ جائیں گے اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری کوشش سے تمام ملک کی حالت کیوں کر بدل سکتی ہے، ان کی خدمت میں یہ عرض کیا جاتا ہے کہ صرف دو خیال ہیں جنھوں نے دنیا کے تنزل اور ترقی پر بہت کچھ اثر کیا۔ ایک یہ کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ دوسرے یہ کہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ پہلے خیال کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ نہ ہوا اور دوسرے خیال نے دنیا میں بڑے بڑے عجائب ناطہ نہ کیے۔

(ماخوذ از: ”کلیات نشر حآلی“، جلد دوم)



مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) ”ہم دردی“ کا لفظ کن کلموں سے مرکب ہے؟

(ب) ”ہم دردی“ سے کیا مراد ہے؟

(ج) انسان میں اگر ہم دردی کا جذبہ نہ ہو تو کیا ہو گا؟

(د) کن خیالات نے دنیا کے تنزل اور ترقی پراثر کیا ہے؟

(ه) حیوانات میں ہم دردی کس طرح پائی جاتی ہے؟ کوئی دو مشاہد دیجیے۔

سوال ۲: درج ذیل جوابات میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) ہم دردی ایک خاصیت ہے:

(۱) قدرتی (۲) مصنوعی

(۳) نمائشی (۴) تجارتی

(ب) اپنی ضروریات میں ایک دوسرے کحتاج میں:

(۱) پرندے (۲) انسان

(۳) چوپائے (۴) فرشتے

(ج) ہمارے ہم وطن بھی اصل سے بے خبر نہیں ہیں:

(۱) ہم دردی کی (۲) خود غرضی کی

(۳) مجبوری کی (۴) دوستی کی

(د) زمانہ بھی طرح طرح سے ہم کو مائل کر رہا ہے:

(۱) دوستی کی طرف (۲) ہم دردی کی طرف

(۳) زندگی کی طرف

(۵) قوم ایک مثال رکھتی ہے:

(۱) درخت کی (۲) زمین کی

(۳) پانی کی (۴) ہوا کی

سوال ۳: درج ذیل خالی جگہوں درست لفظ لکھ کر پُر کیجیے:

(الف) جب تک درخت کی جڑ ہری ہے، اُس کی اور پتے بھی ہرے ہیں۔

(ب) جو خوبیاں قدرت نے حیوانات کو عنایت کی ہیں، انسان ان کا زیادہ تر ہے۔

(ج) انسانوں میں ہم دردی نہ ہو تو یہ تمام کارخانے ہو جائے۔

(د) مذہب بھی ہم کو بہت زور سے کی طرف کھینچتا ہے۔

(ه) جب جڑ کو پانی نہ پہنچے گا، ٹہنیاں اور پتے سب جائیں گے۔

سوال ۴: درست بیان پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) ”ہم دردی“ کے لفظ سے دو یا کئی شخصوں کا ڈکھ اور تکلیف میں شریک ہونا ظاہر

() ہوتا ہے۔

() ہم دردی ایک مصنوعی خاصیت ہے۔

() ہم دردی حیوانات میں نہیں پائی جاتی۔

() ایک انسان کی گاڑی دوسرے کی مدد کے بغیر بھی چل سکتی ہے۔

() مشق اور تعلیم سے تمام قوم میں ہم دردی پھیل جاتی ہے۔

ان جملوں کو غور سے پڑھیے:

۱- عدلیں آیا۔ ۲- نازیہ اچھی بھی ہے۔

۳- کتاب دل چپ ہے۔ ۴- فرخ پڑھ رہا ہے۔

ان چاروں جملوں میں جملہ اور ۴ میں کسی کام کا کرنا پایا جا رہا ہے جب کہ جملہ ۱ اور ۳

میں کوئی فعل نہیں ہے بلکہ صرف خبر ہے۔ لہذا ایسا جملہ جس میں کوئی خبر ہو، اُسے جملہ اسمیہ کہتے ہیں۔ کیوں کہ اس میں کسی اسم یا ضمیر کی خبر ہوتی ہے اور وہ جملہ جس میں کسی اسم کا کام بتایا جا رہا ہے، وہ جملہ فعلیہ کہلاتا ہے۔

سوال ۵: درج ذیل جملوں میں جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کی نشان دہی کیجیے:

- ۱- راشد بیمار ہے۔
- ۲- افشاں مضمون لکھ رہی تھی۔
- ۳- ہم فٹ بال کھیل رہے ہیں۔
- ۴- وہ مصروف ہے۔

سرگرمیاں

(۱) اس سبق کے اہم نکات پر مشتمل ایک چارٹ بنائیں۔

(۲) قومی ہم دردی کے موضوع پر استاد کی رومنائی میں تقریری مقابلہ کریں۔

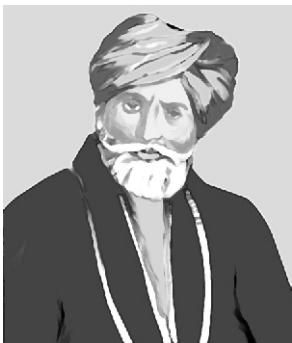
* مضمون، نثر کی وہ صنف ہے جس میں کسی معین موضوع پر اپنے خیالات اور جذبات و احساسات کا تحریری اظہار مضمون کہلاتا ہے۔ مضمون کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں۔ دنیا کے ہر معاملے، مسئلے یا موضوع پر مضمون لکھا جاسکتا ہے۔ مضمون کی ایک خاص ترتیب ہوتی ہے۔

(۱) زیرِ بحث مسئلے کا تعارف (۲) حمایت یا مخالفت میں دلائل (۳) نتیجہ۔ ہر مضمون کے لیے نظم و ضبط، توازن اور تناسب ضروری ہے۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) قومی ہم دردی کا جذبہ اجگر کرنے کے لیے طلبہ کو ممتاز سماجی شخصیات کی خدمات سے آگاہ کیجیے۔

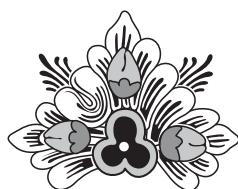
(۲) قومی ہم دردی کا جذبہ عام کرنے کے لیے طلبہ کا تقریری مقابلہ کرائیے۔



مولانا محمد حسین آزاد

ولادت: ۱۸۳۰ء وفات: ۱۹۱۰ء

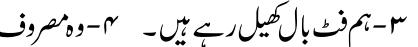
آپ کا نام محمد حسین، آزاد تخلص، شیخ العلمااء خطاب تھا۔ والد کا نام مولوی محمد باقر تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر ذوق کے شاگرد ہوئے۔ اعلیٰ ثانوی تعلیم دلی کالج سے حاصل کی۔ تعلیم سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ آزاد کے والد کو ایک انگریز کے قتل کے ازام میں سزاۓ موت ہو گئی۔ آزاد نے بہ مشکل جان، بچائی اور لکھنؤ پہنچ گئے۔ لیکن یہاں بھی حالات سازگار نہ پا کر لا ہور آگئے اور حکمہ تعلیم سے منسلک ہو گئے اور درسی کتابیں تیار کیں۔ نیز گورنمنٹ کالج لا ہور میں عربی کے استاد رہے۔ لا ہور میں انجمین پنجاب کے سیکریٹری کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ آزاد کی تصنیفات میں ”آب حیات، نیرنگِ خیال، دربارِ اکبری، قصصِ ہند، مکاتیب آزاد اور نظم آزاد“ قابل ذکر ہیں۔



میں کوئی فعل نہیں ہے بلکہ صرف خبر ہے۔ لہذا ایسا جملہ جس میں کوئی خبر ہو، اُسے جملہ اسمیہ کہتے ہیں۔ کیوں کہ اس میں کسی اسم یا ضمیر کی خبر ہوتی ہے اور وہ جملہ جس میں کسی اسم کا کام بتایا جا رہا ہے، وہ جملہ فعلیہ کہلاتا ہے۔

سوال ۵: درج ذیل جملوں میں جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کی نشان دہی کیجیے:

- ۱- راشد بیمار ہے۔
- ۲- افشاں مضمون لکھ رہی تھی۔
- ۳- ہم فٹ بال کھیل رہے ہیں۔
- ۴- وہ مصروف ہے۔



سرگرمیاں

(۱) اس سبق کے اہم نکات پر مشتمل ایک چارٹ بنائیں۔

(۲) قومی ہم دردی کے موضوع پر استاد کی رومنائی میں تقریری مقابلہ کریں۔

* مضمون، نثر کی وہ صنف ہے جس میں کسی معین موضوع پر اپنے خیالات اور جذبات و احساسات کا تحریری اظہار مضمون کہلاتا ہے۔ مضمون کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں۔ دنیا کے ہر معاملے، مسئلے یا موضوع پر مضمون لکھا جاسکتا ہے۔ مضمون کی ایک خاص ترتیب ہوتی ہے۔

(۱) زیرِ بحث مسئلے کا تعارف (۲) حمایت یا مخالفت میں دلائل (۳) نتیجہ۔ ہر مضمون کے لیے نظم و ضبط، توازن اور تناسب ضروری ہے۔



رشته ناتا

حاصلات تعلم: یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) مبدل اور خبر کا فرق بیان کر سکیں اور جملے کی تقاضی کر سکیں۔
 (۲) تخلیل کی بلندی اور تخلیقی صلاحیت کا اظہار کرتے ہوئے چار سوال الفاظ پر مشتمل مضمون تحریر کر سکیں۔

ثابت ہیں وہ بھی ان کی طرف لحاظ نہیں کرتے، چہ جائے کہ ہم ان سے برخلافی کریں، یقین ہے کہ ہمیں زندگی دشوار ہو جائے۔

جوم سے بڑا ہو، اُس کو بڑا سمجھو۔ جو تمہارا بزرگ ہو، اُس کی خدمت کرو، کیوں کہ جب تک تم اُس کی خدمت نہ کرو گے، اُس کے حق سے نہ ادا ہو گے۔ ایسا کوئی شخص ہے جو کوئی کمالِ ذاتی خود بے خود حاصل کر بیٹھا ہو۔ جو نعمت یا قدرت دنیا میں حاصل ہوتی ہے، بزرگوں کے فیضِ پروش سے حاصل ہوتی ہے۔ پس اُس کا شکر یہ تم کو ادا کرنا واجب ہے تاکہ خدا اُس کے شمرے سے تم کو کام یاب کرے۔

اگر بزرگ تم سے خوش ہوں گے، خدا تمہارا تم سے خوش ہو گا اور زیادہ تر عنایت و انعام فرمائے گا اور دنیا کے فوائد علاوہ اُس کے رہے۔ اُس میں سے ایک لطف یہ بھی ہو گا کہ جب تم بڑے ہو گے تو اُسی طرح تمہارے خرد مہاری خدمت کریں گے۔ پس یہ سلسلہ خدمتِ گزاری اور بہرہ یابی کا دین و دنیا میں اسی طرح جاری رہے گا، جس سے دونوں جہان کی راحت اور نعمت حاصل ہوگی۔

اگر تم اپنے ماں باپ سے خود سر ہے ہو تو عجب نہیں کہ تمہاری اولاد بھی تم سے سرکش رہے۔ اس وقت نہ عقل مندوں کے نزدیک، نہ خدا کی جانب میں کہیں تمہارا دعویٰ پیش کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ تم نے اپنے بزرگوں سے کیا سلوک کیا جو آج اپنے خُدوں سے توقع رکھتے ہو۔ یہ مفید قاعدہ دنیا میں اس لیے باندھا گیا کہ جس شخص کو بزرگ کی تعظیم کی عادت ہوگی، وہ خدا کی عبادت بھی دل سے کرے گا۔ جو ماں باپ کے حقوق پرورش اور محنت کو نہ مانے گا، وہ خدا کے حقوقِ نعمت کو کیا پچانے گا، جو کہ آنکھوں سے بھی غائب ہے اور دیتا ہو ادا کھائی بھی نہیں دیتا۔

رشته ایک خدائی پیوند ہے کہ ٹوٹ نہیں سکتا۔ جو بات کہ خدا کی طرف سے ہو، ہم کو بھی چاہیے کہ اُس کی پیروی کریں اور اُس کی مضبوطی کو قوت دیں۔ کیوں کہ علاوہ خوشنودیِ خدا کے، دنیا کے کل فوائد اور بہبود، اپنا نیت اور یگانگت پر منحصر ہیں۔ مثلاً: اگر ماں باپ کو اپنے بچے کی محبت نہ ہو تو اُس کی پرورش ممکن نہیں۔ اسی طرح بھائی بہن، چچا، پھوپھی وغیرہ مختلف رشته دار جو ہر طرح سے ہمارے کاروبار میں معین و مددگار ہوتے ہیں، اگر سب اپنی اپنی جگہ کنارے بیٹھے رہیں تو گزارہ دنیا میں نہ ہو سکے۔ دنیا کی ہربات میں نزدیکی اور دوری کے رشته ہیں۔ اُن کی رعایت اور پابندی کو قانونِ ادب کہتے ہیں۔

ادب اور تعظیم اور رعایت دنیا کی بہبود اور کارروائی کے لیے ناگزیر ہیں۔ اگر ہم کسی کے ساتھ بے ادبی یا بے تو جہی سے پیش آئیں گے تو ہمارا کون ادب یا وقت پر کام کرے گا۔

آج کل ایسا نازک زمانہ ہے کہ جن پر طرح طرح سے ہمارے حقوق

اول مرتبہ بزرگی کا دنیا میں خدا کا ہے جس نے تھیں پیدا کیا اور اس دنیا کو پیدا کیا جو تمہاری ضروریات سے مالا مال ہے۔ اُس معبد کی عبادت اور اطاعت بہر حال واجب اور فرض عین ہے۔ دوسرا مرتبہ ان کا ہے جو دنیا میں ذریعہ ہماری پیدائش اور پروش کا ہیں، جن کی بہ دولت ہم نیستی سے ہستی میں آئے۔ انہوں نے ہمیں پروش کیا، ہمارے ظاہر و باطن کے بنانے اور سنوارنے میں کوشش کی۔ جتنی اطاعت و تعظیم آدمی سے ہو سکے، ان کے لیے بجالانی چاہیے۔ ان کے احکام فقط ہمارے فائدے اور آرام کے لیے ہیں۔ ان کے خوش کرنے سے خدا خوش ہوتا ہے اور درحقیقت وہ اپنی اطاعت انھی امورات میں چاہتے ہیں جو ہمارے واسطے دین دنیا میں باعث راحت و آرام ہیں۔ تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ جوڑ کے اپنے ماں باپ کی اطاعت میں رہے، وہ صاحبِ اقبال ہوتے ہیں اور جو ان سے برگشته رہتے ہیں، وہ ہمیشہ بداقبال اور ذلیل و خوار رہتے ہیں۔ اگر زمانے کے حالات کی طرف غور کریں تو ہزاروں مثالیں اس طرح کی نظر آئیں گی۔ صورت ان کی اطاعت کی یہ ہے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو، ان کی مرضی اور خوش نودی کی جستجو کو کہ جس طرح ان کا جی چاہتا ہے، وہی کام تم سے عمل میں آئے۔ اگر اس طرح نہ معلوم ہو تو عرض کر کے دریافت کرو اور جس طرح حکم دیں عمل کرو۔ اگر اتفاقاً کسی سبب سے انہوں نے ایک کام کونہ کہا ہو، لیکن تم سمجھتے ہو، پس اس کے سرانجام میں دل سے کوشش کرو۔

نشست و برخاست میں ان کی تعظیم کرنی چاہیے، انھیں آپ سلام کرنا چاہیے، ان کے سامنے بہت بولنا نہیں چاہیے، ان کی بات کو رد کرنا نہیں چاہیے، ان کے سامنے با ادب بیٹھنا چاہیے، ان کے آگے نہیں چلنا چاہیے۔ استاد کارتہ بھی باپ کے

برابر ہے۔ باپ پرورش جسمانی کرتا ہے اور استاد پرورش روحانی۔ ماں باپ کھلا پلا کر جسم کی پرورش کرتے ہیں، استاذِ محنت علم سے روح کو پرورش اور تربیت دیتا ہے۔ ماں باپ کے علاقے سے دو سلسلے قربات کے جاری ہوتے ہیں یعنی دھیمال اور نھیمال، دادا دادی، نانا نانی کے باب میں اتنا کافی ہے کہ جب وہ ماں باپ کے بزرگ ہیں تو تم کو بھی ان کا ادب کرنا واجب ہے، کیوں کہ وہ بزرگوں کے بزرگ ہیں اور چوں کہ ان کا رتبہ اور عقل بہ نسبت ماں باپ کے بھی زیادہ تر پختہ ہے، اس لیے ان کی پیروی اور اطاعت زیادہ تر فائدہ مند ہوگی۔ پچاچپی تمہارے ماں باپ کی جگہ ہیں، کیوں کہ جس دادا دادی کی اولاد تمہارا باپ ہے، اُسی کی اولادوہ ہیں۔ تمہاری نام و نری یا بھلانی سے ان کی بھی نام و نری و نیک نامی ہے اور تمہاری بدنامی میں ان کی بھی بدنامی۔ تمہارا اور اُس کا خون شریک ہے، اس واسطے اگر باپ نہ ہوگا تو تمہاری ہر بات پر اُس کا خون بھی ویسا ہی جوش کھائے گا جیسا تمہارے باپ کا۔ جیسا کہ اُس کو اپنی اولاد سے امید فائدے کی ہے، تمہاری پرورش سے بھی وہی امید ہے۔ اس واسطے تم کو اُس کے باب میں بھی وہی تعظیم کی نظر رکھنی چاہیے جیسی باپ کے ساتھ۔ پچا تمہارا اگر تم سے عمر میں چھوٹا ہو تو بھی اُس کی تعظیم کرو، کیوں کہ اُس کا رشتہ بڑا ہے۔ تمہارے دادا کا بیٹا ہے اور تمہارے باپ کا بھائی۔ ہاں اگر کئی پچا ہوں تو ان میں آپس میں چھوٹے بڑے کا فرق رکھنا ضرور ہے۔

پھوپھی اور پھوپھا کو بھی ماں باپ کے برابر سمجھنا چاہیے۔ مثل مشہور ہے کہ ماں بینی دوزات، پھوپھی بنتیجہ ایک ذات۔ باپ اور پھوپھی ایک باپ کی اولاد ہیں، اس لیے ایک ذات ہیں اور ماں کبھی غیر ذات سے بھی ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ پھوپھی

اکثر بھتیجے کو بہت پیار کرتی ہے۔ پس تم کو بھی ویسا ہی اُس کا حق پہچانا چاہیے۔ تم ان کا حق ادا کرو۔ ان کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کی خدمت اور تعظیم کرو۔ تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ تم پر شفقت بزرگانہ رکھیں۔

اسی طرح ماموں ممانی، خالو خالہ، سب بزرگ ماں باپ کے برابر ہیں۔ اکثر ماموں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنے بھانجوں کو خود پرورش کرتے ہیں اور ایسی محبت ان سے کرتے ہیں کہ وہ ماں باپ کو بھول جاتے ہیں، بلکہ جب بچے ضد کرتے ہیں، ماں باپ تنگ ہو کر ان پر خفا ہوتے ہیں، لیکن وہ انھیں خفگی اور تنبیہ سے بچاتے ہیں اور سب نازُن کے اٹھاتے ہیں۔

تمہارا ہر ایک بھائی قوت بازو ہے، لیکن مثل مشہور ہے کہ بڑا بھائی باپ برابر۔ جتنا تم سے بڑا ہو، اتنی ہی اُس کی تعظیم بھی زیادہ چاہیے۔ بڑے بھائی بہن تمہاری پرورش میں ماں باپ کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ ان کا حق تم پر واجب ہے۔ بہنوں کو یہ خیال بہت ہوتا ہے۔ ان کا دل بہت نازک ہے۔ ہزاروں امیدیں اور آرزوئیں بھائیوں سے رکھتی ہیں۔

اگرچہ عورت اپنے خاوند کے گھر میں خوش حال ہو، لیکن جب اس کے باپ یا بھائی پر کوئی صدمہ ہوتا ہے تو گویا اُس کی جان پر صدمہ ہوتا ہے۔ دل بے قرار ہو جاتا ہے۔ جو عورت دونوں گھروں یعنی خاوند اور ماں باپ کی طرف سے بے فکر ہوتی ہے، اُس کا دل خوشی سے باغ باغ ہوتا ہے۔ ادھر کی بے فکری سے ادھر اور ادھر کی خوش حالی سے ادھر حرمت بڑھتی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ بیٹا بیٹی سے زیادہ بھائی بہن پیارے ہوتے ہیں۔ واضح ہو کہ ماں باپ کے رشتے قدرتی ہیں اور اپنے اختیار سے

باہر ہیں، بزرگوں کی عقل پختہ اور تجربے کا رہوتی ہے، اس واسطے ان کی رائے کو بھی مقدم سمجھنا چاہیے۔ بعد اس کے جاننا چاہیے کہ تمہارے ہر ایک رشتے دار کو آپس میں ایک دوسرے کا سہارا ہے۔

(ماخوذ از: مقالاتِ مولانا محمد حسین آزاد، جلد دوم)

مرتبہ: آغا محمد باقر



شق



سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) قانونِ ادب سے کیا مراد ہے؟

(ب) دنیا کی بہبود کے لیے کون کون سی چیزیں ضروری ہیں؟

(ج) اگر بزرگ تم سے خوش ہوں گے تو کیا ہو گا؟

(د) ماں باپ کی اطاعت کس طرح کرنی چاہیے؟

(ه) جو اولاد اپنے ماں باپ کا کہاں نہیں مانتی اس کا کیا نتیجہ ہوتا ہے؟

سوال ۲: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) رشتے ایک پیوند ہے:

(۱) خدائی (۲) دنیاوی (۳) لازمی (۴) مصنوعی

(ب) بچے کی پرورش ممکن نہیں اگر محبت نہ ہو:

(۱) بہن بھائی کو (۲) دوستوں کو

(۳) ماں باپ کو (۴) پڑوسیوں کو

(ج) دنیا کی ہر بات میں نزدیکی اور دوری کے ہیں:

(۱) نظارے (۲) رشتے (۳) احکامات (۴) مزے

سوال ۵: ”اگر میں وزیر تعلیم ہوتا“ کے زیر عنوان چار سو الفاظ پر مشتمل مضمون لکھیے۔

جملے کے اجزاء:

جملے کے اصل عنصروں ہیں: ا- مبتداء، ۲- خبر

مبتدا وہ شخص یا شے ہے جس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

خبر، جو کچھ اس شخص یا شے کی نسبت ذکر کیا جائے۔

مثال: احمد آیا۔ وہ گیا۔

خبر	مبتداء
آیا	احمد

سوال ۶: درج ذیل جملوں میں مبتدا اور خبر کی نشان دہی کیجیے:

اکرم گیا۔ بچہ کودا۔ بانو آئی۔ زین رویا۔ ابو آئے

سرگزی

طلبہ نہیاں اور دوستیاں کے رشتہوں کا چارٹ تیار کر کے کلاس میں آؤ بیان کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ: (۱) صلةِ رحمی کا مفہوم واضح کیجیے۔ (۲) رشتہوں کے احترام کی ضرورت و اہمیت اجاگر کیجیے۔ (۳) طلبہ کو گروہوں میں تقسیم کیجیے۔ ہر گروہ کو دو ڈپر اگراف ان سے متعلق سوالات کے ساتھ تقویض کیجیے کہ پڑھیں اور سوالات کے جواب تحریر کریں۔



(د) رشتہوں کی رعایت اور پابندی کو کہتے ہیں:

(۱) قانون فلسفہ (۲) قانون شہادت

(۳) قانون کیمیا (۴) قانون ادب

(۵) بزرگوں کی خدمت سے حاصل ہوتی ہے:

(۱) خدا کی خوش نوی (۲) دنیا کی دولت

(۳) عزت دار ملازمت (۴) دنیا کی نعمتیں

سوال ۳: درست الفاظ لکھ کر خالی جگہیں پر کیجیے:

(الف) تم اپنے ماں باپ سے خود سر ہے ہو تو عجب نہیں کہ تمہاری اولاد بھی تم سے

..... رہے۔

(ب) جب تم ہو گے تو اُسی طرح تمہارے خرد تھماری خدمت کریں گے۔

(ج) جو نعمت یا قدرت دنیا میں حاصل ہوتی ہے کے فیض پرورش سے حاصل ہوتی ہے۔

(د) جس شخص کو بزرگ کی تعلیم کی عادت ہوگی، وہ کی عبادت بھی دل سے کرے گا۔

(۱) اول مرتبہ بزرگی کا دنیا میں کا ہے۔

سوال ۴: درست بیان پر (۱) کاششان لگائیے:

(الف) جو ماں باپ کے حقوق پرورش اور محنت کو نہ مانے گا وہ خدا کے حقوق نعمت کو کیا پہچانے گا۔

(۱) () () () ()

(ب) ماں باپ کو خوش کرنے سے خدا خوش نہیں ہوتا۔

(ج) والدین کے احکام فقط ہمارے فائدے کے لیے ہیں۔

(د) استاد کا رتبہ باپ کے برابر نہیں ہے۔

(۱) () () () ()



ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

ولادت ۱۹۱۲ء وفات ۲۰۰۵ء

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان جبل پور (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ ناظرہ قرآن گھر پر پڑھا ویں کے انجمن اسلامیہ ہائی اسکول میں ثانوی جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ علی گڑھ کالج سے ایم۔ اے اور ناگ پور یونیورسٹی سے پی ائچ ڈی اور ڈی لٹ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ۱۹۳۷ء میں پبلک سروس کمیشن پاس کر کے کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی (ہندوستان) میں اردو کے استاد مقرر ہوئے۔ اس کے بعد آپ ناگ پور یونیورسٹی میں صدر شعبہ اردو مقرر کیے گئے۔ ۱۹۴۸ء میں ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے آپ کو اردو کالج کراچی میں صدر شعبہ اردو کے طور پر تعینات کیا۔ علامہ آئی آئی قاضی نے آپ کو حیدر آباد سنده یونیورسٹی میں صدر شعبہ اردو مقرر کیا۔

ڈاکٹر صاحب ایک بڑے عالم، محقق، مصنف، ماہر لسانیات، ماہر تعلیم اور سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم رہنما تھے۔ آپ کو اردو، ہندی، فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ آپ کی علمی اور تصنیفی خدمات کی وجہ سے پاکستان کے مختلف اداروں نے تمغے، ایوارڈ اور سپاس نامے عطا کیے۔ حکومت پاکستان نے ”اقبال اور قرآن“ کتاب لکھنے پر صدارتی ایوارڈ ”ستارہ امتیاز“ سے نوازا۔ آپ کی تحریر کردہ کتابیں پاکستان کی جامعات میں پڑھائی جاتی ہیں۔



نظریہ پاکستان

حاصلات تعلم: یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) روزمرہ کے لحاظ سے غلط فقرے درست کر سکیں۔ (۲) کوئی مضمون اپنے مشاہدے، علم، تجربات اور تجربی کے حوالے سے جامع انداز سے لکھ سکیں۔ (۳) مضمون نگاری سیکھ سکیں۔

مسلمانوں نے ہمیشہ رواداری کو اپنا شیوه بنایا ہے لیکن جب کفر والحاد اپنا غالباً حاصل کرنا چاہتا ہے تو مسلمان اس کے مقابلے کے لیے ڈٹ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ بادشاہ اکبر کی بے جا رواداری اور ملکی سیاست میں ہندوؤں کے عمل دخل کی وجہ سے ملک میں کافرانہ طور طریقے اس قدر راجح ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کی آزادی خود ان کے دینی معاملات میں بھی ختم ہو گئی تھی۔ چنانچہ اکبر کے آخری دور میں اسلام کی سربندی کے لیے حضرت مجدد الف ثانی کھڑے ہوئے۔ آپ نے جہانگیر کے زمانے میں محض دین کی خاطر قید و بند کی سختیاں جھیلیں اور اسلامی قدرؤں کو نئے سرے سے فروغ دیا۔ ان کے اثر سے شاہ جہاں اور اس کے بعد اس کا بیٹا اور نگر زیب، دین کا خادم بنا لیکن اور نگر زیب کے بعد ہی اس کے بیٹوں کے باہمی نفاق اور کمزوری کی وجہ سے مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔ مرہٹوں اور ہندوؤں کے کئی گروپ نے سر اٹھایا۔ انگریزوں نے اپنے قدم جمائے اور ملک میں انتشار پھیل گیا لیکن ایسے گئے گزرے حالات میں بھی قوم کو فروغ دینے اور اسلام کو سر بلند کرنے کے لیے میسور

کے سلطان حیدر علی اور اس کے بیٹے سلطان ٹپو نے ہندوؤں اور انگریزوں کا مقابلہ کیا۔ بلکہ افغانستان، ترکی اور پھر فرانس کو بھی اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی لیکن ملک کے دوسرے سرداروں نے ساتھ نہیں دیا اور انھیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

اسی زمانے میں شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے صاحبوں نے مسلمانوں کی اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کو دور کرنے کی تحریک شروع کی۔

چنان چہ سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں نے پھر اپنے قدم جمانے کی کوشش کی لیکن انگریزی اقتدار مستحکم ہوا پکا تھا اس لیے انھیں کامیابی نہ ہو سکی۔ اس زمانے میں سرسید نے مجبوراً انگریزوں سے مفاہمت کو غیرمحت جانا اور مسلمان قوم کی اخلاقی اور تہذیبی اصلاح پر توجہ دی اور ان کے دلوں سے احساسِ نکتری کو دور کرنے کی کوشش بھی کی۔ سنہ ۱۸۸۵ء میں ہندوؤں نے کانگریس کی بنیاد ڈالی اور ظاہریہ کیا کہ وہ ملک کی تمام قوموں کو ان کے حقوق دلوائیں گے۔ لیکن بعد میں پتا چلا کہ وہ صرف اپنے حقوق کا تحفظ چاہتے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کو ان کے کاروبار سے بھی محروم کرنے کی کوشش کی اور وہ سرکاری ملازمتوں پر بھی قابل ہو گئے۔ نیز انھوں نے مسلمانوں کی مشترکہ زبان اردو کے مقابلے میں ہندی کو قائم کر دیا۔ سرسید نے مسلمانوں کو ہندوؤں کی اس کانگریس اور ان کی سیاست سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی پھر سرسید کے ایک رفیق نواب محسن الملک نے سنہ ۱۹۰۶ء میں کل ہند مسلم لیگ کے نام سے مسلمانوں کی ایک الگ تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ یہ تنظیم ڈھاکے میں قائم ہوئی تھی جہاں ہندوؤں نے سازش کر کے مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لیے مشرقی بنگال اور آسام کا وہ حصہ جس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، ختم کر دیا اور سنہ ۱۹۱۱ء میں

اسی علاقے کو پھر بنگال میں شامل کر دیا۔

اسی زمانے میں پہلی جنگ عظیم چھڑگی جس میں انگریز کا مقابلہ جمنی سے ہوا اور ترکی نے جمنی کا ساتھ دیا۔ ہندوستان کے مسلمان چوں کہ ترکی کے سلطان کو جاز کی خدمت کرنے کی وجہ سے خلیفہ اسلام سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے مالی اور طبی امداد بہم پہنچائی جس کی وجہ سے حکومت برطانیہ کو مسلمانوں سے عناد پیدا ہو گیا۔ لیکن انھوں نے یہاں کے مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا کہ اگر ہم کو اس جنگ میں فتح حاصل ہو گی تو ہم کسی طرح بھی ترکی کو مزید نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ یہ وعدہ مخف فریب تھا۔ چنان چہ جب انگریزوں کو فتح حاصل ہوئی تو وہ اپنے وعدے سے پھر گئے اور انھوں نے ترکی کی وسیع سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ یہاں کے مسلمانوں کو اس فریب کی وجہ سے بہت تکلیف پہنچی اور انھوں نے خلافت کے تحفظ کے لیے مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی کی رہنمائی میں تحریک خلافت شروع کی لیکن اس زمانے میں ہندوؤں نے مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لیے ”شدھی تحریک“ شروع کی اور ان کو ختم کرنے کے لیے ”ستھن تحریک“ بھی شروع کی۔ پھر سنہ ۱۹۲۸ء میں کانگریس نے جونہر و پورٹ شایع کی اس میں مسلمانوں کے لیے علیحدہ نمائندگی کا اصول جو وہ بارہ سال پہلے تسلیم کر چکے تھے بالکل نظر انداز کر دیا۔ پھر تو مسلمانوں میں بڑا جوش پیدا ہوا اور انھیں یقین ہو گیا کہ چوں کہ ان کا دین، ان کی تہذیب اور ان کی معاشرت سب کچھ غیر مسلموں سے مختلف ہے، اس لیے کسی حالت میں ہندوؤں سے تعاون نہیں ہو سکتا۔ چنان چہ سنہ ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے الہ آباد والے اجلاس میں علامہ اقبال نے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن (پاکستان) بنانے کی تجویز پیش

مسلمانوں کی قومیت ایک نظریاتی قومیت ہے جو لا إله إلا اللہ پر قائم ہے، یعنی یہ کنسل، رنگ اور وطن کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک نظریے، ایک عقیدے، ایک کلے کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے اور اس نظریاتی پہلو کو نمایاں کرنے کے لیے اسے ملت کہا گیا ہے۔ ایسی نظریاتی قومیت میں ہر نسل، ہر رنگ اور ہر جغرافیائی خطے کے لوگوں کے لیے جگہ ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جنوبی ایشیا کے مسلمان جن میں ہر نسل، ہر رنگ اور مختلف جغرافیائی خطوں کے لوگ شامل تھے، ان کو ایک ایسی قوم کے ماتحت اقلیت بن کر رہنا منظور نہ تھا جو اسلامی قومیت کے بر عکس ذات پات، چھوٹ چھات اور بہ پرستی کے بندھنوں میں جکڑی ہوتی تھی۔ چنان چاہنہوں نے اپنی جدا گانہ قومیت یعنی اسلامی قومیت کی بنیاد پر اپنے لیے ایک جدا وطن کا مطالبہ کیا، جس میں وہ اپنے عقیدے، اپنے نظریہ زندگی، اپنے طرزِ معاشرت کے مطابق زندگی بسر کر سکیں اور ایک مسلمان کی حیثیت سے دورِ جدید کے چیزخ کا مقابلہ کر کے اپنے مستقبل کو سنوار سکیں۔

ہمیں اس بات کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ نظریہ پاکستان میں اسلامی زندگی اور قدرتوں کا تصور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اخوت، مساوات، عدل، دیانت، خدا ترسی، انسانی ہمدردی اور عظمت کردار کے بغیر نظریہ پاکستان کو فروغ نہیں ہو سکتا۔ نظریہ پاکستان کا مقصد مخصوص ایک حکومت قائم کرنا نہیں تھا کیوں کہ مسلمانوں کی حکومتیں ایشیا اور افریقہ میں پہلے سے موجود تھیں۔ نظریہ پاکستان کا مقصد اسلامی اصولوں کی تزویج و اشاعت اور اہل عالم کے لیے مثالی مملکت کا نمونہ فراہم کرنا ہے۔

کی۔ چار سال کے بعد جب قائد اعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کی صدارت کا مستقل
عہدہ بقول کیا تو انہوں نے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کر دی۔
آخر کار ۲۳ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء کو انہوں نے لاہور کے اجلاس میں واضح طور پر اعلان
کر دیا کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، وہاں ایک آزاد مسلم ریاست
قائم کی جائے۔ اس اعلان کو ”قراردادِ پاکستان“ کہتے ہیں جس کی رو سے مسلمانوں
کی آزادی اور خود مختار حکومت قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔

یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ دنیا میں قومیت کی تشکیل کی دو بنیادیں ہیں۔ ایک وہ جو مغربی مفکرین نے قائم کی ہے۔ دوسری وہ جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائم کی ہوئی ہے۔ اہل مغرب نے خاندانی، نسلی اور قبائلی بنیادوں میں ذرا وسعت پیدا کر کے قومیت کی بنیادیں جغرافیائی حدود پر استوار کیں اور کہا کہ قوم وطن سے بنتی ہے۔ اس نظریے کی وجہ سے دنیا کے انسانوں کے درمیان تباہی کا جو دروازہ کھلا، وہ دو عالمی جنگوں کے ہونے سے بہ خوبی ظاہر ہے۔ یہ طبقی قومیت ہی کی بنیاد پر لڑی گئیں اور یہ طبقی قومیت جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو تحفظ دینے میں تو بالکل ہی ناکام تھی کیوں کہ جنوبی ایشیا کے مسلمان اس نظریے کے تحت ایک مجبور اقلیت بن جاتے۔ قومیت کی دوسری بنیاد وہ ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملت اسلامیہ کی تشکیل کرتے وقت قائم فرمائی اور جو مغرب کے تصور قومیت سے جدا ہے، جیسا کہ علامہ اقبال نے بھی فرمایا ہے:

ہ اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمی
اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پرانچمار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جعیت تری